ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

مدیراعلیٰ:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

نگرانِ اعلیٰ: مرکزی مجلس رضا لاہور

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
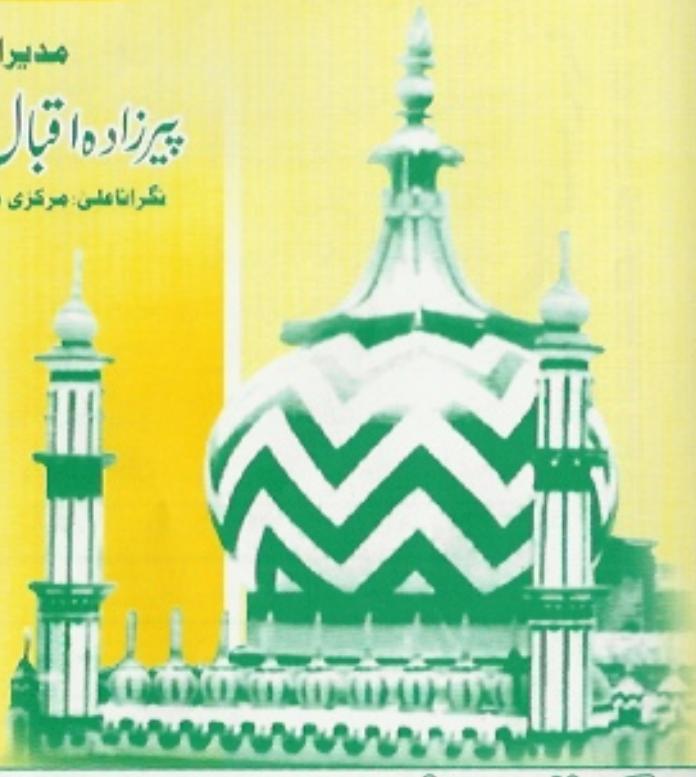
042-37213560
0300-4235658

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

نائب مدیر: محمد عالم مختارِ حق — مدیر: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

جلد ۱۸ — جنوری ۲۰۱۲ء — صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — شمارہ ۱۸۲

فہرست مضامین

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی	02
اداریہ	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	03
غزالی زماں ایک نظر میں	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	06
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (ایک سوانحی خاکہ)	ساجد علی ساجد صاحب	07
امام احمد رضا اور اصلاح اُمت	مولانا محمد شاہد القادری	12
صاحبزادہ پیر میاں خلیل احمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ		17
ہندوستان میں اہلسنّت وجماعت کی شیرازہ بندی	علامہ خوشتر نورانی	18
علوم خمسہ کے بارے میں اہلسنّت کا موقف	مفتی محمد خاں صاحب قادری	
حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس	رپورٹ: محبوب احمد صاحب	31
لاہور کی قدیم مساجد	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	41

ہدیہ -/۲۰ روپے — سالانہ چندہ: -/۲۰۰ روپے

قارئین جہانِ رضا اپنے تجزیاتی خیالات کا اظہار کر کے ممنون فرمائیں۔

مرکزی مجلس رضا ═ مکتبہ نبویہ

گنج بخش روڈ، لاہور

موبائل: 0300-4235658

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام

حجرِ اسودِ کعبہ جان و دل
یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

روئے آئینۂ علم پشتِ حضور
پشتیِ قصرِ ملت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستوں
ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہانِ رضا | اداریہ | جنوری ۲۰۱۲ء

اداریہ

جہانِ رضا بیس سال سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے افکار و تعلیمات کو پھیلا رہا ہے۔ یہ مرکزی مجلس رضا' لاہور (۱۹۶۸ء) کا ترجمان ہے۔ مرکزی مجلس رضا کی بنیاد حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۸ء میں رکھی تھی۔ اور اہلسنّت و جماعت کی بگڑتی ہوئی اعتقادی صورتحال کو امام رضا کے افکار کی روشنی میں سہارا دیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ سنیوں کی اعتقادی دنیا کے راہنما فاضل بریلوی کی خدمات سے اغماز برتا جا رہا ہے' اور سنی صرف ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''۔ پڑھ خوش ہو جاتے ہیں۔ حکیم صاحب نے دن رات افکار رضا کی اشاعت کا کام شروع کیا اور اعلیٰ حضرت کی اعتقادی کتابوں کو شائع کر کے اہل علم تک پہنچانا شروع کیا۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے علمائے کرام نے بھی ان کتابوں کا مطالعہ کیا تو ایک کروٹ لی۔ چند سالوں میں ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' نے ۸ لاکھ سے زیادہ کتابیں شائع کر کے پاک و ہند کے علمائے کرام میں تقسیم کیں اور اس طرح علمائے کرام اور دوسرے سنیوں میں بیداری کی ایک لہر جاری ہوگئی۔

حکیم صاحب کے اس کام کو دیکھ کر پاک و ہند میں کئی اسکالرز اور ادارے آگے بڑھے اور کام کرنے لگے۔ کتابیں شائع کرنے لگے۔ تقسیم کرنے لگے۔ ''یوم رضا'' منانے لگے۔ کئی سنی سکالر آگے بڑھے اور انہوں نے افکار رضا کو پھیلانے میں اہم اقدام کیا۔ اعلیٰ حضرت کی اعتقادی خدمات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ آپ کی سیاسی خدمات پر کتابیں شائع ہونے لگیں۔ اس تحریک نے

ملک کے کئی اشاعتی اداروں کو ترجمہ قرآن کنزالایمان اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت
پر آمادہ کیا۔ اور یوں محسوس ہونے لگا...... گویا گلستان کھل اُٹھا!

حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی مرکزی مجلس رضا کی کوششوں نے پاک وہند
کے علماء کرام میں بیداری پیدا کر دی۔ مگر بعض علمائے اہلسنّت نے حکیم صاحب
کے دست و بازو بن کر اس قدر دھوکا دیا کہ آپ مجلس رضا سے کنارہ کش ہو گئے اور
یہ بہتا ہوا چشمہ رُک گیا اور جس مجلس نے لاکھوں کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کی
تھیں خاموش ہو گئی۔

چند سال تعطل کے بعد "جہانِ رضا" مرکزی مجلس رضا کی آواز بن کر اُٹھا
اور افکار رضا کو پھیلانے لگا۔ جہانِ رضا ہر ماہ پیغام رضا لے کر علمائے کرام اور
عشاقِ رضا کے دروازوں پر دستک دینے لگا اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات پر مختلف
مضامین شائع کرنے لگا۔ مرکزی مجلس رضا کی تحریک پر کئی اشاعتی ادارے اعلیٰ
حضرت کی بڑی بڑی کتابیں شائع کرنے لگے مگر "جہانِ رضا" بلند پایہ مضامین
لے کر دنیا کے ہر گوشے تک پہنچا۔ الحمد للہ آج بیس سال ہو گئے۔ جہانِ رضا سفیر
رضا بن کر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ رہا ہے۔

آج سنیوں کی بے اتفاقی اور انتشار کی وجہ سے ہمارے عقائد میں بھی
انتشار پھیلنے لگا ہے۔ ہم نے سابقہ شمارے میں سنیوں کے اندر بعض علمائے
کرام کی اعتقادی بے راہ روی کا رونا رویا تھا اور ان کی عجیب وغریب اعتقادی
تاویلات پر ماتم کیا تھا اور بتایا تھا کہ ان علما کرام کی فاضل بریلوی کی تحریروں
سے بے خبری کا نتیجہ ہے کہ وہ اعتقادی دنیا میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔
اور طرح طرح کی تاویلیں کر کے مسلمہ عقائد سے بے راہ روی اختیار کر رہے
ہیں' اور عوام الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ہماری اس آہ و فغاں کو اہل درد نے

سُنا۔ اہل علم وفضل نے پڑھا تو بہت سے خط لکھ کر ایسے انتشار پرستوں کے رویہ
پر اظہار مذمت کیا۔ بعض علمائے کرام ہمارے پاس خود چل کر آئے اور ان
اعتقادی مسائل پر تفصیلی گفتگو کر کے ہمارے تحفظات کی تائید کی اور ایسے
شر پسند عناصر کی مذمت کی اور اعتقادی راہوں سے ہٹنے والے علماء کی بے راہ
روی سے اظہار بریت کیا۔

آج ہمارے ملک میں سیاسی افراتفری پھیلی ہوئی ہے حکومت کی
نااہلیوں' ناکامیوں' لوٹ کھسوٹ اور رشوت ستانیوں کے افسانے سر عام سُنائے جا
رہے ہیں۔ ہر سیاسی پارٹی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شور مچا رہی ہے اور جلسے
کر رہی ہے۔ ملک کی دینی جماعتیں اگرچہ سیاسی جماعتوں کی طرز پر جلسے جلوس
اور ریلیاں اور دھرنے مارتی رہتی ہیں۔ مگر ان کی اجتماعی قوت اتنی کمزور ہے کہ وہ
سیاسی مداریوں کے شور شرابے کے سامنے ناکام دکھائی دیتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں
کے اس شور شرابے میں ہمارے سنی علماء کرام ایسے بچے کی آواز بن کر رہ گئے ہیں
جو کسی میلے میں کھو گیا ہو۔

ان حالات میں ہمارے علمائے کرام کو اپنی اعتقادی آواز کو بلند کرنا
چاہئے اور اس آواز میں سب سے پہلے عشق مصطفیٰ کی آواز ہو۔ امام اعظم کی
حنفیت کی آواز ہو' جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی قادری آواز ہو' جو حضرت خواجہ
اجمیری چشتی کی آواز ہو۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی کی آواز ہو جو آخر میں امام
احمد رضا خاں کی آواز ہو۔ یہ آوازیں "یارسول اللہ انظر حالنا" کہتے ہوئے۔ حنفی
ہوں۔ قادری ہوں۔ چشتی ہوں۔ نقشبندی مجددی ہوں اور بریلوی ہوتو پھر

اک جہانِ تازہ ہوگا نعرہ تکبیر سے!

نام: سید احمد سعید کاظمی۔ لقب: غزالیِ زماں۔ نسب مبارک: آپ کا سلسلۂ نسب ۲۹/ واسطوں سے سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ والد گرامی: سید مختار احمد کاظمی۔ ولادت: ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء۔ مقام ولادت: امروہہ، صوبہ اتر پردیش (انڈیا)۔ اعلیٰ تعلیم اور فراغت: اپنے بڑے بھائی مولانا سید محمد خلیل احمد کاظمی محدث امروہوی کے زیر تربیت سولہ سال کی عمر میں ۱۹۲۹ء میں درس نظامیہ کی تکمیل کی اور مدرسہ محمدیہ امروہہ سے سند فراغت حاصل کی۔ اساتذہ: مولانا سید محمد خلیل احمد کاظمی محدث امروہوی۔ مخصوص تلامذہ: پروفیسر طاہر القادری، مولانا غلام رسول سعیدی، مولانا حسن الدین ہاشمی، جسٹس مفتی شجاعت علی قادری، مفتی سعادت علی قادری، مولانا محمد حسن حقانی، مولانا محمد شفیع اکاڑوی، مولانا عبد القادر، مولانا مشتاق احمد چشتی، مفتی غلام سرور قادری، مولانا پیر محمد چشتی، مولانا محمد فرید ہزاروی، مولانا محمد شریف ہزاروی، مولانا عبد الحکیم شجاع آبادی، مولانا محمد عبد الغفور الوری۔ اجازت حدیث: مولانا عبد الحکیم شرف قادری، مفتی عبد القیوم ہزاروی اور مفتی محمد صدیق ہزاروی کو انما الاعمال بالنیات پڑھا کر سند حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ بیعت وارادت: مولانا سید محمد خلیل احمد کاظمی محدث امروہوی۔ تدریسی خدمات: جامعہ نعمانیہ لاہور، مدرسہ محمدیہ امروہہ، جامعہ اسلامیہ بہاول پور اسلامی یونیورسٹی میں شیخ الحدیث کے منصب جلیل کیلئے آپ منتخب ہوئے اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۴ء تک مکمل نو سال علم حدیث کا درس دیا۔ درس قرآن وحدیث: ۱۹۳۵ء سے ملتان میں آپ نے بیرون لوہاری دروازی میں ۱۸/ سال تک درس قرآن کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ حضرت چپ شاہ کی مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا درس بھی شروع کیا اور درس مشکوٰۃ و بخاری شریف دیتے رہے۔ انوار العلوم کا قیام: ۱۹۴۴ء میں ملتان میں جامع انوار العلوم قائم کیا۔ اس عظیم درس گاہ سے اب تک ۲۲/ ہزار سے زائد طلبہ دورہ حدیث کی تکمیل کر چکے ہیں۔ ۱۳/ ہزار نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور ۸/ ہزار تجوید وقرأت کی تعلیم سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔ اہم تصانیف: حیات النبی، معراج النبی، میلاد النبی، تقریر منیر، مکالمہ کاظمی ومودودی، اسلام اور سوشلزم، اسلامی معاشرے میں طلبہ کا کردار، اسلام اور عیسائیت، فتویٰ حنفی، آئینہ مودودیت، التبیان (تفسیر پارہ الم) البیان (ترجمۂ قرآن) مقالات کاظمی (تین جلدیں)۔ ملی وسیاسی خدمات: قائد اعظم کے ساتھ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جمعیۃ علمائے پاکستان کی تشکیل کے بعد آپ کو اس کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ (۱۹۷۷ء) اور تحریک تحفظ ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ وصال: ۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ/ مطابق ۴/ جون ۱۹۸۶ء

ساجد علی ساجد رضوی (جامع مسجد، نوری محلہ، پہاڑپور، مئو ناتھ بھنجن یوپی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

ایک سوانحی خاکہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ مورخہ 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو ہندوستان کے مشہور ومعروف شہر بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ متفقہ رائے سے نومولود بچے کا نام محمد رکھا گیا اور تاریخی اسم گرامی المختار تجویز کیا گیا۔ مہربان والا حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں علیہ الرحمۃ نے احمد رضا نام تجویز فرمایا۔

حسب ونسب

ان کے آباؤ اجداد قندھار کے قبیلہ بڑیچ کے معزز پٹھان تھے اور وہ شاہانِ مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور باعزت عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انھیں لوگوں کی جاگیر تھی۔ چند دنوں کے بعد وہاں سے منتقل ہو کر ہندوستان آگئے۔

عہد طفولیت

ان کی پیشانی سے نور سعادت کی کرنیں بچپن ہی سے روشن تھیں جسے اہل نظر نے دیکھا بھی اور اس کی نشان دہی بھی کی کہ یہ بچہ مستقبل قریب میں علم وفضل کا آفتاب بن کر چمکے گا۔ وہ ایام طفولیت سے ہی حق پسندی وحق شناسی کا مجسمہ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے استاذ گرامی کے پاس جلوہ افروز تھے کہ اسی اثنا میں ایک بچے نے استاذ محترم کو سلام کیا تو جواباً استاذ نے کہا: جیتے رہو۔ فوراً انھوں نے لقمہ دیا کہ استاذ محترم! یہ تو جواب نہ ہوا۔ جواب تو وعلیکم السلام ہے۔ اس طرح کا اعتراض اور جواب سن کر استاذ گرامی ششدر رہ گئے اور اس حق گوئی پر بے حد خوش ہوئے۔

تعلیم وتربیت

انھوں نے علوم وفنون معقول ومنقول کی بیشتر تحصیل اپنے والد گرامی حضرت مولانا شاہ

نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہ کر فرمائی، اس کے علاوہ مولانا سید شاہ آلِ رسول مارہروی، علامہ عبدالعلی رامپوری، مولانا شاہ ابوالحسین نوری اور علامہ غلام عبدالقادر بیگ بریلوی علیہ الرحمۃ سے بھی استفادہ فرمایا اور ان حضرات کی صحبت میں رہ کر علم و فضل، زہد و تقویٰ، حلم و بردباری، دین و کمال فقاہت، عشق رسالت، توقیر سیادت اور دیگر علوم و فنون کی بھٹی میں تپ کر جب تیار ہوئے تو دنیا نے دیکھا کہ چودھویں صدی ہجری میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور ب 13 سال کی عمر شریف میں ہی یعنی 14 شعبان المعظم 1386ھ کو فارغ التحصیل ہو گئے .نیز اسی روز سے رضاعت کے بارے میں ایک فتویٰ لکھ کر فتویٰ نویسی کا آغاز فرما دیا، پھر جو والد گرامی نے اس قدر ذوق و شوق اور طبیعت کے میلان کا رجحان دیکھا تو افتاء سے متعلق تمام تر ذمہ داریاں آپ کے سپرد کر دیں۔

بیعت و خلافت

1294ھ مطابق 1877ء کو مارہرہ تشریف لے گئے اور مسند نشیں آستانہ پیر طریقت شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور تمام تر سلاسل میں اجازت و خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ غالباً اسی موقع پر شاہ آلِ رسول علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا "ابھی تک (فقیر آلِ رسول) اپنے بارے میں متفکر تھا کہ اگر روزِ محشر رب العزت کے حضور یہ سوال کیا گیا کہ آلِ رسول تو میرے لیے دنیا سے کیا لایا ہے؟ تو آخر میں کیا عرض کر سکوں گا، مگر آج بحمدہ تعالیٰ احمد رضا کے آ جانے سے یہ فکر جاتی رہی اور اگر روزِ محشر مجھ سے یہ سوال کیا گیا تو میں پیشِ خدا یہ عرض کر دوں گا: خدایا! تیرا عاجز بندہ تیرے حضور دنیا سے احمد رضا کو لایا ہے۔"

علمی مہارت

متعدد کتابوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ انھیں پچاس سے زیادہ علوم و فنون پر کامل دست رس حاصل تھی، چنانچہ وہ خود اپنے رسالہ "الاجازۃ الرضویہ" میں 54 علوم و فنون کا ذکر فرماتے ہیں اور بعض محققین نے ان کا شمار ستر تک بتایا ہے۔

زیارت حرمین شریفین

1296ھ مطابق 1878ء کو والد ماجد کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین اور حج و

زیارت بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حرمین طیبین کے جلیل القدر علماء کرام مثلاً مفتی حنفیہ حضرت عبدالرحمٰن سراج اور مفتی شافعیہ حضرت سید احمد دحلان وغیرہ سے فقہ و تفسیر اور اصول فقہ پر اسناد حاصل کیں اور خود بیش تر علماء کو اسناد سے سرفراز فرمایا۔

دوسری بار حج بیت اللہ

1323ھ میں ایک بار پھر وہ حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر علماء حرمین نے ان کی بے حد قدر و منزلت فرمائی جس پر علمائے حجاز کی تقاریظ شاہد عدل ہیں جو حسام الحرمین میں موجود ہیں۔ علمائے حرمین طیبین نے بے شمار القابات سے ان کو نوازا۔ حضرت علامہ سید اسماعیل مکی فرماتے ہیں: "اگر ان کے یعنی امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ چودھویں صدی کے مجدد اعظم ہیں تو یہ بلاشبہ صحیح ہے۔"

بحیثیت نعت گو شاعر

وہ ایک بلند پایہ فقیہ مشہور متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی اور سخن سنجی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی نعتیں جذبات قلبیہ کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ آیات قرآن کی تفسیر ہیں۔ انھوں نے نعت گوئی بھی قرآن سے سیکھی، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں "قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔" معلوم ہوتا ہے کہ روزِ اول سے ہی مدحتِ رسول ﷺ آپ کے لیے مقدر کر دی گئی تھی۔ انھوں نے نعت گوئی کو مسلک شعری کی حیثیت سے اپنایا اور اس کو کمال بخشا کہ اردو شاعری میں جس کا جواب نہیں ملتا۔ عالم وجد میں خود کہتے ہیں:

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم

نعتِ رسول کے علاوہ انھوں نے اولیائے کاملین، بزرگانِ دین کی شان میں منقبتیں اور قصیدے لکھے، مگر اہل ثروت و حکام امراء کی مدح میں کچھ نہ لکھا بلکہ فرماتے ہیں کہ

کروں مدح اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

بحیثیت کثیر التصانیف عالم

بحیثیت ایک کثیر التصانیف عالم بھی تھے۔ ایک لحاظ سے دنیائے اسلام میں انھیں تصنیف

وتالیف کے اعتبار سے ایک امتیازی مقام حاصل ہے، کیونکہ ایک اندازے کے مطابق ان کی تصانیف پچاس علوم وفنون میں ایک ہزار سے زائد ہیں۔ اس قدر تصانیف کے علاوہ آپ نے مختلف علوم وفنون کی تقریباً اسی کتابوں پر تعلیقات وحاشیے بھی تحریر کیے ہیں۔ اس سارے علمی سرمایہ کے علاوہ دو علمی وفقہی شاہکار خاص طور پر قابل ذکر اور لائق ستائش ہیں۔ ایک فتاویٰ رضویہ جس کا پورا نام "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" ہے جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے، جس کی صرف پہلی جلد جہازی سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے اکثر فتاویٰ بجائے خود تحقیقی مقالات ورسائل کا حکم رکھتے ہیں۔ دوسرا علمی شاہکار قرآن مقدس کا ترجمہ ہے جس کا نام "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ہے۔ نگاہ عشق ومحبت سے بہت کم لوگوں نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے، کیونکہ یہ ایک تحقیقی امر ہے کہ قرآن کے ترجمے میں جہاں علمی صلاحیتوں اور لیاقتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں نگاہ پاک میں اور جہانِ بے تاب کا بھی دخل ضروری ہے، اس خصوصیت کا صرف آپ کا ہی ترجمہ قرآن "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ہے۔

آپ کی سیاسی بصیرت

ہندوستان کی سرزمین پر انیسویں صدی عیسوی میں جب اکبری ذہنیت رکھنے والوں نے ایک قومی نظریے کی اشاعت کی تو انھوں نے "براہین قاطعہ رج ساطعہ" سے مجددانہ شان کے ساتھ اس نظریہ کا رد فرمایا۔ اس مرحلے میں ان کے خلفاء وتلامذہ نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی ذات پاک سیاسی بصیرت اور مومنانہ فراست کا بہترین نمونہ تھی۔ 1919ء میں خلافت تحریک، ترک موالات کے وقت جب بڑے بڑے علمائے کرام وقت کے دھارے پر بہہ رہے تھے، شعائر اسلام ومسلمین کو زبردست خطرات کا سامنا تھا تو اس وقت بھی آپ نے اعتدال، سنجیدگی اور شریعت مطہرہ کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ نتیجتاً مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کو رجوع کرنا پڑا۔

مشاہیر خلفاء وتلامذہ

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے ان کو مختلف سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی، مثلاً سلسلہ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ وغیرہ بایں ہمہ کافی تعداد میں ان کے خلفاء ومریدین تھے۔ مریدین کا شمار تو بہت مشکل کام ہے علاوہ ازیں خلفاء کی تعداد بھی کم

نہیں۔ حرمین شریفین کے علاوہ ہندو پاک کے وہ علمائے کرام جنھیں آپ نے خلافت سے بہرہ ور کیا ان کے اسمائے گرامی حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب قادری علیہ الرحمۃ الاجازات المتینہ وغیرہ کے حوالے سے ذکر فرماتے ہیں، جن کی تعداد 50 کے قریب ہے جو اپنے وقت کے علماء اور مرجع خلائق رہے، نیز ان کے تلامذہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔

سفر آخرت

عالم سنت کا یہ آفتاب اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ مورخہ 25 صفر المظفر 1340ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء کو نماز جمعہ کے وقت بریلی شریف کا شانۂ اقدس میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ مزار پاک محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہے۔ ہر سال 25 صفر کو عرس مبارک منایا جاتا ہے۔

مولانا محمد شاہد القادری

امام احمد رضا اور اصلاح امت

چودھویں صدی ہندوستانی مسلمانوں کے لیے کربناک اور فتنہ سامانیوں کی صدی تھی۔ عیسائی پادری مسلمانوں کے قانون شریعت پر تیشہ چلا رہے تھے جس کے سبب پورا ملک اضطرابیت کا شکار تھا۔ دوسری طرف علماء سوء کا جتھا تھا جو عقیدۂ توحید و رسالت محبت رسول اور صحابہ، خانقاہی مصلح نظام اور اسلامی معمولات کو متزلزل کرنے میں سرگرداں نظر آرہا تھا۔ ایسے پرفتن دور میں ایک ایسے داعی الی اللہ کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کی ہر محاذ پر رہنمائی کرے اور مخالفین کو دندان شکن جواب دیکر مبہوت کردے۔

اللہ تبارک وتعالی نے رسول وقار ﷺ کی بھولی بھالی امت کے ایمان وعقیدے کی صیانت کے لیے اور علماء اسلام کی قیادت کے لیے ایک ہی مصلح قوم وملت کو 10 شوال المکرم 1272ھ کو بریلی شریف میں پیدا فرمایا۔ جسے دنیا "مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی" کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔

امام موصوف کی آفاقی شخصیت پہ بے شمار جہتوں سے کئی سالوں سے ارباب قلم طبع آزمائی کر رہے ہیں ان گوشوں میں سے آپ کا مصلحانہ کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ امت مسلمہ کی بے راہ روی، خرافاتی رسم و رواج، اسلام کے نام پر غیر شرعی امور پر ترجیح اور جاہل صوفیوں کے بے جا طرز تکلم پر قدغن لگائی ہے چند شواہد نذر قارئین ہیں۔

(1) تحقیر صوم وصلوۃ: کسی نے عرض کیا حضور بعض لوگ مسلمان ہو کر نماز اور روزے کے تعلق سے لایعنی گفتگو کرتے ہیں۔ آپ حکم شرع نافذ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "بلاشبہ صوم وصلوۃ کا تحقیر کرنے والا فرد مرتد ہے۔ اگر عورت رکھتے ہوں تو ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں۔ عورتوں کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کرلیں؛...... تو مسلمان کا ان سے میل جول حرام، اسلام کلام حرام، بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے جانا حرام، مر

جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت حرام، جب تک یہ توبہ نہ کرلیں۔"

(فتاوی رضویہ جلد ششم ص 129)

(2) مسلمان کی ایذ رسانی: "بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا ناحق ایذا دینا ہے اور مسلمان کی ناحق ایذا شرعاً حرام۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن کا حق ہلکا نہ کیا جائے گا، مگر منافق (1) اسلام میں بڑھاپے والا (2) عالم (3) بادشاہ اسلام عادل ایسا شخص شرعاً لائق تعزیر ہے۔ (فتاوی رضویہ ج 5 ص 791)

(3) فخر بالنسب کی رذالت: "شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ نے فرمایا تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقوی رکھتا ہے۔ ہاں اور بارہ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے۔" (فتاوی رضویہ ج 5 ص 295)

(4) چھوٹی برادری کا احترام: "اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمان کے ذہن میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے وہ ہمارا دینی بھائی ہوگا۔" (فتاوی رضویہ ج 5 ص 294)

"دھوبی (مسلمان) کے یہاں کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ دھوبی کے یہاں کھانا ناپاک ہے محض باطل ہے۔" (فتاوی رضویہ ج 3 ص 255)

(5) حرمت مزامیر: "مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بروجہ لہو ولعب بلاشبہ حرام ہیں۔ جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح، ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلہ عالیہ چشت کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافتراء ہے۔ (فتاوی رضویہ ج 10 ص 54)

(6) نشہ و بھنگ و چرس: "نشہ بذاتہ حرام ہے نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ حد نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے...... ہاں اگر دوا کے لیے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہو حرج نہیں۔ بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہیے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کردیتی ہے۔" (احکام شریعت ج دوم)

(7) صلعم لکھنا: "اور درود وسلام کی جگہ ﷺ صاد یا عم یا صلعم یا صللم لکھنا ہرگز کافی نہیں بلکہ وہ الفاظ بے معنی ہیں۔ (صلاۃ الصفا ص 14)

اسی طرح قدس سرہ یا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی جگہ ق یا رح لکھنا حماقت وحرمان برکت ہے۔ ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالی توفیق خیر عطا فرمائے (آمین)۔

(فتاویٰ افریقہ ص 46)

(8) حرمت تصاویر: ''حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرما دیا اور اس پر سخت وعیدیں ارشاد کیں اور ان کے دور کرنے مٹانے کا حکم دیا۔ احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں۔''

(شفاء الوالہ 3)

جاندار کی تصویریں بنانا دستی ہو خواہ عکسی حرام ہے اور ان معبودان کفار کی تصویریں بنانا اور سخت تر حرام واشد کبیرہ ہے۔ ان سب لوگوں کو امام بنانا گناہ ہے۔ اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب الحرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 3 ص 190)

(9) قبر پر یا قبر کی طرف نماز پڑھنا: ''قبر پر نماز پڑھنا حرام۔ قبر کی طرف نماز پڑھنا حرام اور مسلمان کی قبر پر قدم رکھنا حرام۔ قبروں پر مسجد بنانا یا زراعت وغیرہ کرنا حرام۔ اگر مسجد میں کوئی قبر آ جائے تو اس کے آس پاس چاروں طرف دیوار اگرچہ پاؤ گز ہو قائم کرے اس پر چھت بنائیں کہ اب نماز یا پاؤں رکھنا قبر پر نہ ہوگا بلکہ اس چھت پر جس کے نیچے قبر ہے اور نماز قبر کی طرف نہ ہوگی بلکہ اس دیوار کی طرف اور یہ جائز ہے۔

(عرفان شریعت دوم)

(10) جانور پالنا: ''بٹیر بازی، مرغ بازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں، ریچھوں کا لڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے۔ بلاوجہ بے زبانوں کو ایذا دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ کتا پالنا حرام ہے۔ جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں۔ (احکام شریعت دوم ص 80)

(11) تاش وشطرنج کھیلنا: ''یہ سب کھیل ممنوع و ناجائز ہیں اور ان میں چوسر اور گنجفہ بدتر ہیں۔ گنجفہ میں تصاویر ہیں اور انھیں عظمت کے ساتھ رکھتے اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ اس امر کے سبب سخت گناہ کا موجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 10 ص 44)

(12) طریقہ کشتی: ''کشتی جس طور پر آج کل لڑی جاتی ہے محمود نہیں اس میں تن پروری ہوتی ہے۔ مجمع عام ہوتا ہے اور اگر اس کے سبب نماز کی پابندی نہ کرے یا ستر کھولے حرام ہے۔ (الملفوظ چہارم ص 30)

(13) پتنگ بازی: ''کن کیا اڑانا لہو ولعب ہے اور لہو ناجائز ہے۔ ڈور لوٹنا بھی حرام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوٹنے سے منع فرمایا۔ لوٹی ہوئی ڈور کا مالک اگر

معلوم ہو تو فرض ہے کہ اسے دے دی جائے۔ اگر نہ دی اور بغیر اجازت کے اس سے کپڑا سیا تو اس کپڑے کو پہننا حرام ہے اور اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔

(احکام شریعت اول ص 21)

(14) چوری کا مال: ''چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے۔ اگر کوئی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملکیت نہ بتائے تو اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ج 7 ص 38)

(15) سوال وگداگری: ''بے ضرورت شرعی سوال کرنا حرام ہے اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلا ضرورت سوال اپنا پیشہ بنالیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر ان کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ جب انہیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی دالّ علی الخیر نہیں بلکہ دالّ علی الشر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ج 4 ص 498)

(16) مسجد میں سوال: ''مسجد میں سوال نہ کرے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اسے دینا بھی نہیں چاہیے کہ برے پر اعانت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے تو ستر اور درکار ہیں جو اس دینے کا کفارہ ہوں۔ اور ایسی بے تمیزی سے سوال کرتا ہے کہ نمازیوں کے سامنے سے گزرتا یا بیٹھے ہوؤں کو پھاند کر جاتا ہے تو اسے دینا بالاتفاق ممنوع ہے۔ (احسن الوعاء ص 132)

(17) فال: ''قرآن مجید سے فال دیکھنے میں ائمہ مذاہب اربعہ کے چار قول ہیں۔ بعض حنابلہ مباح کہتے ہیں اور شافعیہ مکروہ تنزیہی اور مالکیہ حرام اور ہمارے علماء حنفیہ فرماتے ہیں ناجائز وممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ افریقہ ص 160)

(18) مرد کی انگوٹھی: ''چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے، کانسے، پیتل، لوہے، تانبے کی مطلقاً ناجائز ہے۔

(احکام شریعت دوم ص 30)

(19) سیاہ خضاب: ''سرخ یا زرد خضاب اچھا ہے اور سیاہ خضاب کو حدیث میں فرمایا کافر کا خضاب ہے۔ دوسری حدیث میں اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا یہ حرام ہے جواز کا فتویٰ باطل ومردود ہے۔ (احکام شریعت اول ص 72)

خضاب سیاہ رنگ یعنی مہندی و نیل باہم خلوط کر کے بلا ضرورت شرعی استعمال کرنا سوائے مجاہدین کے سب کو مطلقاً حرام ہے۔ وسمہ لگانا حرام ہے۔ مہندی (داڑھی میں) جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ (حکم العیب ص 11)

(20) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا: ''موڈرن مزاج کے نوجوان لیڈر کہلانے والے نام نہاد مسلمان کھڑے ہو کر پیشاب کرنا فخر محسوس کرتے ہیں۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بارے میں امام احمد رضا سے پوچھا گیا آپ نے فرمایا'' کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے اور طریقہ نصاریٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں بے ادبی و بدتہذیبی یہ ہے کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔' (فتاویٰ افریقہ ص 9)

(21) جوتا پہن کر کھانا: ''کھانا کھاتے وقت جوتا اتار لینا سنت ہے۔ دارمی و طبرانی و حاکم بافادۂ تصحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کھانا کھانے بیٹھو تو جوتے اتار لو کہ اس میں تمہارے پاؤں کے لیے راحت ہے اور یہ اچھی سنت ہے۔ (فتاویٰ افریقہ ص 38)

(22) آخری بدھ: ''آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صاحب یابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی۔ اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے ابتلائے سیدنا ایوب علیہ السلام اسی دن تھی۔ (فتاویٰ رضویہ ج 10 ص 117)

(23) مونچھیں بڑھانا: ''مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں حرام و گناہ ہے۔ سنت (طریقہ) مشرکین و مجوس یہود و نصاریٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مونچھیں کتر کر خوب پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ یہودیوں اور مجوسیوں کی صورت نہ بناؤ۔

(فتاویٰ افریقہ ص 11)

(24) مراسم شادی: ''آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بے شک حرام اور پورا حرام ہے۔ اسی طرح یہ گانے باجے کہ ان بلاد میں معمول و رائج ہیں بلاشبہ ممنوع و ناجائز ہیں۔ جس شادی میں اس طرح کی حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ اگر نادانستہ شریک ہو گئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو سب مسلمان مرد، عورتوں پر لازم ہے فوراً اسی وقت (محفل سے) اٹھ جائیں۔ (ہادی الناس ص 3)۔

ہوتا ہے' وہ خود بھی صاحب کمال ہوتا ہے اور اس کے پاس جو بیٹھ جائے اسے بھی وہ کمال عطا فرما دیتا ہے اور یہ وہ کیفیت ہے جسے سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ نے کہا تھا کہ میں نے ایک دفعہ مٹی کو سونگھا تو اس میں سے خوشبو آ رہی تھی۔ اس مٹی سے میں نے سوال کیا کہ اے مٹی! تیرے اندر یہ خوشبو کہاں سے آ گئی؟ تو تو خاک ہے' تیرا خاصہ خوشبو دینا نہیں ہے۔ تو اس مٹی نے جواب دیا:

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اے اللہ کے بندے! میں واقعی مٹی ہوں اور خاک ہوں لیکن پھولوں کی صحبت میں رہی ہوں۔ ان پھولوں کی صحبت کی برکت سے میرے اندر سے بھی خوشبو پھوٹنے لگی ہے۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ گلِ سرسبد تھے کہ جن کے پاس بیٹھنے والے کو بھی بقدر ظرف خوشبو حاصل ہوتی تھی اور ان کے پاس بیٹھنے والے مختلف طرح کے' مختلف قسم کے لوگ ہیں' مختلف شعبوں کے لوگ ہیں۔

ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر اور اسکالرز اور ریسرچرز بھی حکیم صاحب کی بارگاہ میں آیا کرتے تھے اور امرتسر کے پرانے بابے' پہلوان' درویش' فقیر' پٹھوں' تھڑوں پر بیٹھنے والے اور دودھ دہی بیچنے والے بھی آیا کرتے تھے۔ مشائخ میں دیکھیں تو صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری صاحب جیسے لوگ اور شیخ الاسلام ابوالحسن زید فاروقی دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لوگ...... کوئی شعبۂ حیات ایسا نہیں ہے جو میں نے خود دیکھا' مشاہدہ کیا ان لوگوں کو۔ سید امیر شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ پشاوری کو میں نے پہلی دفعہ وہیں دیکھا اور بہت سارے بزرگ ہیں۔ حکیم صاحب کے جو کریڈٹس (Credits) ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ حکیم صاحب کی برکت سے ہم نے بڑے بزرگ دیکھے۔ ان کی صحبت میں جانے اور ان کے پاس بیٹھنے کے جو بونس (Bonus) ہوتے تھے' ایک تو وہ ہوتا تھا جو براہِ راست ہم نے ان سے لینا ہوتا اور وہ ہوتا تھا کہ ان کے پاس بیٹھنے کی برکت سے' جیسے میاں صاحب نے فرمایا:

سودا بھاویں مُل نہ لیّے تَلّے آن ہزاراں

تو وہ ایسے ہی عطار کی دکان تھی۔ ایک قسم کی خوشبو نہیں آتی تھی' ہزار قسم کی خوشبوئیں وہاں سے پھوٹتی تھیں اور حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو وسعتِ ظرف دیا ہوا تھا' کوئی تعصب نہیں تھا۔ بڑے زبردست چشتی نظامی بزرگ تھے اور بڑے باکمال نسبت کے حامل بزرگ تھے لیکن ہم نے دیکھا کہ ہر نسبت کا حامل شخص وہاں آ رہا ہے اور جو بھی نسبت رکھنے والا آ رہا ہے اسے لگ رہا ہے کہ اگر وہ مجددی نسبت رکھنے والا تھا تو اسے لگتا تھا کہ حکیم صاحب سے بڑا کوئی مجددی نہیں۔ اگر قادری ہے تو اسے لگتا کہ ان سے بڑا کوئی غوثِ اعظم کا عاشق ہے ہی نہیں۔ اگر کوئی چشتی آ گیا ہے' کوئی سہروردی آ گیا ہے تو یہی کیفیت تھی۔ اس لیے کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ ربُّ العلمین نے قاسم العلوم بھی بنایا' قاسم الشعور بھی بنایا اور قاسم ادراک بھی بنایا اور اپنے زمانے کی نزاکت اور نبض پر ایسی گہری نظر تھی کہ جس ٹائپ کا بندہ آیا ہے' اس رنگ سے اسے نوازا ہے' اور فیضیاب کیا۔ خصوصاً وہ نوجوانوں پر شفقت فرمایا کرتے اور نوجوانوں میں طالب علموں پر۔ جس کے بارے میں پتا چل جاتا کہ یہ طالب علم ہے' خواہ وہ کسی مدرسے یا جامعہ کا سٹوڈنٹ ہے یا وہ کسی کالج یا یونیورسٹی کا طالب علم ہے۔ کمال شفقت اور مہربانی فرماتے تھے ان کی ضرورت کے مطابق۔ بڑوں میں یہ بھی ایک کمال ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو نوازنے کے لیے بجائے اس کو اوپر کھینچنے کے خود نیچے آ جاتے ہیں۔ کیونکہ استفادہ کرنا بھی ایک فن ہے۔ کیونکہ ہر فرد میں یہ کمال نہیں ہوتا کہ وہ کسی صاحب کمال کے پاس جا کر اخذِ فیض کر سکے۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ مربی عصر تھے کہ آپ نے اپنے پاس آنے والے کو اس مشکل میں نہیں ڈالا کہ تو اوپر کی منزل میں میرے پاس آ' پھر مجھ سے کچھ لے بلکہ خود نزول فرما کر اس کے مقام پر چلے جاتے تھے جہاں وہ ہوتا' جس کلاس میں ہوتا' جس لیول کا بندہ ہوتا' اسے نوازتے۔ اس میں جو درجہ بندی ہے' اس کو اگر آپ ذہن میں رکھیں مولانا عبدالستار خاں نیازی' ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب وہ لوگ ہیں جنہوں نے حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ سے علمی' تحقیقی

استفادہ بھی کیا اور مشورے بھی کیے' اور ان سے بھی اوپر کا ایک شخص تھا یعنی حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب کمال دیا تھا کہ ضروری نہیں کہ اپنے سے چھوٹے لوگوں پر ہی اثر انداز ہوں' وہ جن لوگوں کو اپنے سے بڑا کہتے تھے' ان پر بھی اثر انداز ہوئے۔ حکیم صاحب خود مانتے تھے کہ پیر غلام دستگیر نامی صاحب میرے والد کی عمر کے لوگوں میں سے تھے۔ اس صف کے آدمی تھے اور مولانا ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۹۲ء میں ان کی عمر ۹۲ سال تھی۔ میں نے حکیم صاحب کے فرمان پر ان کی زیارت کی کہ لاہور میں ایک مجددی بزرگ دلی سے آئے ہوئے ہیں' جاؤ ان سے مل آؤ۔ ان سے بھی میں ملا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ حکیم صاحب کے پاس خود چل کے آتے اور ایک دفعہ زید فاروقی صاحب اپنے پوتے کو لے کر حکیم صاحب کے مطب پر آ گئے اور فرمانے لگے کہ بیٹا تو میرا فوت ہو گیا ہے۔ اب میں اس پوتے کو دکھانے آیا ہوں کہ میرے بعد کس سے رابطہ رکھنا ہے۔ یہ وہ شخصیت تھے کہ جس سے حکیم صاحب نے اسمٰعیل دہلوی اور ردِ تقویۃ الایمان جیسی کتاب لکھوائی۔ یہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال بھی تھا' تصرف بھی تھا اور دوسروں پر ان کا تاثر بھی تھا۔ دوسروں پر اثر انداز ہونے کا ایک انداز تھا اور ہندوستان کے علماء نے اس بات پر یہ تبصرہ کیا کہ لاہور کے ایک شربت فروش نے شیخ الاسلام کو خراب کر دیا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا مطب جنہوں نے دیکھا ہے انہیں پتا ہو گا اور جنہوں نے حضور غوث پاک کی سیرت پڑھی ہے انہیں بھی پتا ہو گا کہ غوثِ اعظم کہتے ہیں کہ جب میں بغداد میں گیا تو میں نے طالب علمی کے دوران ڈھونڈا کہ یہاں بغداد کے فقراء اور درویش کہاں جمع ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے پتا چلا کہ ایک سرکہ فروش کی دکان ہے جسے حماس رباس کہتے ہیں اور سرکے کے مرتبان آگے پڑے ہوتے ہیں اور پیچھے عرفاء اور کاملین کا حلقہ لگا ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں طالب علمی کے زمانے میں بڑے بڑے باپے' بزرگ اور درویش اور عرفاء وہاں بیٹھتے تھے۔ میں نے بھی جا کر اس سرکے کی دکان پر حاضری دینا شروع کی۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دکان پر جائیں تو وہاں بھی سب سے پہلے اس طرح کے مرتبان اور شربت اور معجون اور ایسی ہی چیزیں تھیں لیکن جب اس سے پیچھے

جاتے تھے تو پتا چلتا تھا کہ علم اور حکمت کا لنگر خانہ کھلا ہوا ہے۔ علم اور تحقیق کا فیض تقسیم ہو رہا ہے۔ ادھر ہاتھ میں مریض کی نبض ہے، تشخیص اور تجویز ہو رہی ہے اور اس طرف کوئی اسکالر، کوئی دانشور اور کوئی محقق بیٹھا ہے۔ ہر لیول کے لوگ آکر بیٹھتے تھے، استفادہ کرتے تھے اور حکیم صاحب بے لوث فی سبیل اللہ ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ ان کا فیض اس درجے کا متعدی ہے کہ آج میں درس حدیث میں ایک واقعہ سنا رہا تھا کہ مجھے ایک بزرگ کا واقعہ حکیم صاحب نے سُنایا تھا مگر آج اس کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے میاں صاحب کے حلقے میں ایک بزرگ ہوا کرتے تھے جنہیں کہا کرتے تھے عبدالرحیم بانگا۔ ان کا واقعہ سُنایا کرتے تھے حالانکہ وہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حکیم صاحب جس بارگاہ اور خانقاہ کے فیض یافتہ تھے وہ اس طرح کی تھی۔ چشتیوں نظامیوں کی سماع کی تیاری نقشبندی اور مجددی درویش کیا کرتے تھے حالانکہ خود حلقہ سماع میں نہیں بیٹھا کرتے تھے لیکن ساری تیاری ان کے ذمے ہوتی تھی۔ یہ وہ کہتے تھے کہ پاکپتن شریف میں رمضان کے مہینے میں چودھریوں کا ایک لڑکا دن کے وقت سگریٹ پیتا ہوا گلی میں جا رہا تھا۔ اب کسی کی مجال اور جرأت نہیں کہ اس کو روکے اور ٹوکے۔ مولوی عبدالرحیم بانگا صاحب سامنے سے آ رہے تھے اور بازار میں آمنا سامنا ہو گیا۔ مولوی صاحب نے لڑکے کے ہاتھ سے وہ سگریٹ پکڑا جو وہ پی رہا تھا اور اُسے اُلٹا کر کے اس کے منہ میں دے دیا، جدھر سے سگریٹ جل رہا تھا۔ یہ غیرت ایمانی اور بے باکی ان لوگوں میں تھی جن کے حلقہ میں حکیم صاحب پروان چڑھے۔ مجھے ان کا نام یاد نہیں آ رہا تھا کہ جنہوں نے یہ کیا تھا۔ تو حکیم صاحب کی طرف تصور اور خیال کیا، دو چار منٹ میں ان کا نام یاد آ گیا۔ ہمارے ہاں روایت تو یہی ہے کہ کوئی مسئلہ ہو تو مزار پر جاتے ہیں لیکن مجھے آج بھی کوئی مسئلہ ہو تو میں 55/ ریلوے روڈ پر ہی جاتا ہوں اور وہاں جا کر اسی صوفے پر تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حکیم صاحب کی توجہ سے وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ جس طرح ان کی زندگی میں کوئی بات پوچھنی اور سمجھنی ہوتی تو دل کو تسلی ہوتی تھی کہ کوئی بات نہیں حکیم صاحب جو بیٹھے ہیں اللہ کا یہ کرم ہے

کہ حکیم صاحب کے بعد بھی ان کا یہ فیض اور یہ برکت اور یہ سلسلہ جاری ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ جاری و ساری رہے۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان صوفیہ میں سے اور ان مستور الحال درویشوں میں سے تھے جنہوں نے ساری زندگی اپنے آپ کو چھپانے میں لگا دی اور جو بندہ ہاتھ چومتا، اس سے لڑتے۔ میں نے دیکھا کہ ایک صاحب بہت بڑا چولا سا اور جبہ اور عربی لباس پہنے ہوئے بڑی دستار پہنے ہوئے مطب میں داخل ہوئے اور آتے ہی حکیم صاحب کی دست بوسی کی۔ حکیم صاحب کو بڑا جلال آیا۔ غالباً آنے والے، خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ جب انہوں نے ہاتھ چومے تو حکیم صاحب جلال میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے: ''اوئے پیر بدل لیا ای''...... یعنی اگر ہاتھ چومنے ہیں تو اپنے پیر کے چوم۔ یہ اس لیے کیونکہ حکیم صاحب جس ماحول میں پروان چڑھے تھے وہ ایسا ماحول تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاد محمد عالم آسی ہوا کرتے تھے اور میرے شیخ میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ بسی شریف والے تھے۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ میرے شیخ حضرت میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر آئے ہوئے تھے اور فرمایا کہ آسی صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔ میرے والد صاحب حکیم فقیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ہم نے مل کر بڑی مشکل سے آسی صاحب کو ملاقات کے لیے تیار کیا۔ انہیں دعوت دی کہ میاں صاحب ہمارے گھر تشریف لائے ہیں، آپ نے آنا ہے، آپ کی ملاقات کرانی ہے۔ وہ مان گئے اور کہا کہ اچھا ٹھیک ہے۔ محفل لگی ہوئی تھی اور میاں صاحب مسند پر بیٹھے ہوئے تھے، آسی صاحب آ گئے۔ آپ انتہائی سادہ قسم کے درویش منش آدمی تھے۔ جب پتا چلا کہ آسی صاحب آ گئے ہیں دروازے پر تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود مسند سے اُٹھ کے جا کے دروازے پہ ان کا استقبال کیا اور لا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ وقت گزر گیا۔ آسی صاحب چلے گئے۔ پھر ایک دفعہ میاں صاحب آئے۔ ہم نے دعوت دی کہ جناب آپ نے آنا ہے میاں صاحب آئے ہوئے ہیں۔ تو آسی صاحب کہنے لگے کہ ''ہم ایسے پیروں سے نہیں ملتے جو دوسروں کو مغرور بنا دیں''۔ حکیم صاحب کی تربیت اس ماحول میں ہوئی تھی...... تو اس شخص کو ڈانٹا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا اور عرض کی

کہ میں حضرت مولانا فضل الرحمن مدنی صاحب کا سلام پیش کرتا ہوں' میں عمرہ کر کے مدینہ شریف سے آیا ہوں۔ حکیم صاحب کچھ ایسے لگے جیسے کرسی کے نیچے کوئی سپرنگ لگا ہو۔ وہ کرسی سے اُچھلے۔ اُٹھ کر ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ: "پہلے کیوں نہیں دسیا' ایہو جئی گل پہلے دسی دی اے"۔ فوراً ان کی پہلی کیفیت بدل گئی اور ان کا سارا جلال' جمال میں بدل گیا۔ اس بندے کو بڑا پروٹوکول دیا' بڑی محبت فرمائی' بڑی شفقت فرمائی' اسے بٹھایا۔ اس سے بات چیت کی۔ یہ ایک روایت کا تسلسل تھا جس کے حکیم صاحب آخری ستون تھے اور ہم اللہ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اس روایت کا یہ تسلسل بھی دکھایا' حکیم صاحب کی برکت سے وہ بزرگ دکھائے' ملائے' سنوائے' ان سے ہم نے استفادہ بھی کیا۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک انجمن تھے اور ایک جام جم تھے۔ شرط صرف یہ ہے کہ پینے کا کم ظرف نہ ہو ورنہ ان کے پاس ماضی کا سودا بھی تھا' حال کا بھی تھا اور مستقبل کا بھی تھا۔ ماضی' حال' مستقبل کے حوالے سے جب رہنمائی کرتے اور حقائق کو نہایت اختصار کے ساتھ کھولتے تھے' بڑے ہی مختصر وقت میں' مختصر فقرے میں' مختصر جملے میں...... پھر جوان اور پیر کا فرق مٹ جاتا تھا۔ پھر وہ کیفیت تھی جسے اقبال نے اپنی دعا میں کہا تھا:

خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ جذبہ تھا' ان کی یہ خواہش تھی کہ جو جوان ہیں' وہ پیر ہوں۔ پیروں جیسے جوان اور ایسے جوان انہوں نے تیار کیے۔ ایسے جوانوں کو انہوں نے فیضیاب فرمایا' ان کی تربیت فرمائی' تیار کر کے قوم کو دیئے۔ جس میں جس درجے کی صلاحیت اور اہلیت تھی' حکیم صاحب نے اپنے حوصلہ افزائی کے فیض سے اس بندے سے بھی وہ کام لیا۔

آخری بات...... آپ دیکھتے ہیں کہ مزاروں پہ پھول چڑھتے ہیں' ہار چڑھتے ہیں' نذر نیاز اور فتوحات آتی ہیں۔ میں آج غور کر رہا تھا کہ صوفیائے کرام کے جو مزاج اور مشرب ہوتے ہیں' وہ ان کے بعد بھی' ان کے عرسوں پر' ان کے مزاروں پر' درباروں پہ

جاری رہتے ہیں۔ جیسے داتا صاحب۔ ان کے بارے میں کسی نے دیکھنا ہو' پوچھنا ہو تو ان کے مزار کے سرہانے جا کر دیکھ لے۔ رحلوں پر قرآن رکھے ہیں' ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی ہے کیونکہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن سے تعلق تھا' شغف بالقرآن تھا اور قرآن سے اتنا عشق تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مزار پر ان کے سرہانے اپنی کتاب رکھوا دی اور قیامت تک اس کی تلاوت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ان کا یہ مشرب ہے۔ کسی کا مشرب ہے کہ نعت خوانی ہو رہی ہے' کسی کا مشرب ہے کہ وہاں پر قوالی ہو رہی ہے' کسی کا مشرب ہے کہ وہاں ڈھول بج رہا ہے۔ اپنے اپنے مزاج ہیں لیکن حکیم صاحب کا عجیب مشرب تھا کہ ساری زندگی کتاب سے عشق کیا' کتاب بانٹی' کتاب بنوائی' کتاب پڑھی' کتاب پڑھوائی۔ جس بندے کا کتاب سے کوئی تعلق ہو گیا' اس کی پرچی پہ لکھ دیا "اعزازی" چاہے وہ بائنڈر ہے' چاہے وہ پرنٹر ہے' وہ جلد ساز ہے کوئی بھی ہو' لکھنے والا ادیب' خطیب اور عالم تو بڑی بات ہے یا طالب علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ میں دیکھتا ہوں جب بھی ان کا عرس آتا ہے ایک یا دو کتابوں کا جھنڈا رو بٹتا ہے۔ یہ کتاب سے ان کا تعلق اور کتاب سے ان کا عشق تھا اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی آپ کو اس لنگر میں جہاں نان حلیم ملے گی' وہاں آپ کو کتابیں بھی ملیں گی اور یہ حکیم صاحب کا تصرف ہے' صدقہ جاریہ ہے میاں زبیر صاحب یا ہمایوں صاحب اس کا تسلسل ہیں' اس کا حصہ ہیں۔ یہ ٹول (Tool) ہیں جن کو حکیم صاحب نے استعمال کیا...... میاں زبیر صاحب ایک دن کہتے تھے کہ میرے والد صاحب کہتے تھے کہ میں نے جا کر اس آدمی کو دیکھنا ہے جس نے تیرے جیسے نکمے بندے کو کارآمد بنا دیا۔ میاں زبیر صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب پہلی بار حکیم صاحب کو صرف اس لیئے دیکھنے کے لیے آئے کہ "تیرے توں وی کوئی کم لے سکدا اے"۔ یہ میاں صاحب کی روایت ہے جو سامنے تشریف فرما ہیں۔ حکیم صاحب میں یہ فن تھا' یہ کمال تھا اور اللہ رب العلمین نے ان کو یہ کاریگری بخشی ہوئی تھی' جسے میاں صاحب نے کہا تاں کہ:

مرد ملے تاں درد گواوے اوگن دے گن کردا
کامل مرد محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

حکیم صاحب میں یہ کمال تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا' وہاں پتھروں کو موتیوں میں ڈھلتے ہوئے میں نے خود دیکھا' میں خود بھی اس کا حصہ ہوں۔ آج بھی ایسی ایسی گھڑیاں' لمحے' ساعتیں کسی وقت آجاتی ہیں' اس وقت حکیم صاحب ہی دستگیری کرتے ہیں' مشکل کشائی کرتے ہیں۔ وہ یاد آتے ہیں تو ان کے ساتھ اور بڑا کچھ یاد آجاتا ہے' یادوں کی ایک پٹاری کھل جاتی ہے اور کوئی نہ کوئی عقدہ کھل جاتا ہے' کوئی نہ کوئی گتھی سلجھ جاتی ہے...... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلۂ خیر جاری و ساری رہے اور حکیم صاحب کا لنگر بٹتا رہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

لاہور کی قدیم مساجد

☆...... پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

لاہور کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو محمود غزنوی کی آمد کے بعد مسلمان اس خطے میں آباد ہونے لگے تھے۔ وہ اللہ کی عبادت کے لیے ''عبادت کے زاویے'' مختص کرتے گئے۔ جب محمود غزنوی سومنات فتح کرنے کے بعد قنوج سے ہندوؤں کی قوت کو درہم برہم کرنے کے بعد دوبارہ لاہور آیا تو اس نے ایک قلعہ کی تعمیر شروع کی۔ اس قلعہ کے اندر ہی اس نے ایک گوشے میں سب سے پہلی مسجد تعمیر کی جسے ''ادینہ مسجد'' نام دیا گیا یعنی مسجد جمعہ۔ یہ مسجد خشتی تھی۔ یعنی اینٹوں سے بنی ہوئی اس مسجد کا ایک مینارہ تھا۔ اور سارے شہر میں نمایاں عمارت نظر آتی تھی۔ اسکے بعد لاہور میں مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضرت سید محمد اسماعیل محدث اعظم لاہور نے ہال روڈ کے قریب ۱۰۰۴ء میں ایک مسجد ''''مسجد سید اسماعیل محدث'' تعمیر کی۔ جو ابھی تک موجود ہے۔ اس کے ساتھ کنویں کا پانی صدیوں مختلف بیماریوں کا مداوا بنتا رہا ہے۔ مولانا سید محمد اسماعیل کے پچاس سال بعد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم غزنوی کے دور میں لاہور وارد ہوئے تو دریائے راوی کے کنارے پر قیام کیا۔ اپنے گھر کے قریب ہی ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ اس مسجد سے پہلے لاہور میں کئی مساجد بن چکی تھیں۔ محمود غزنوی کا وفادار غلام ایاز لاہور کا گورنر بنا تو اس نے شہر کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی جو اب تک چوک رنگ محل میں ''مسجد ایاز'' کے نام سے موجود ہے۔ یہ مسجد ۴۵۰ھ میں بنی تھی۔ ایاز کا مزار بھی اس کے ساتھ ہی ہے۔

مسجد داتا گنج بخش:

حضرت داتا گنج بخش نے محسوس کیا کہ لوگ مساجد تو بنا لیتے ہیں مگر سمت قبلہ کا خیال نہیں رکھتے' آپ نے ان مساجد کے علمائے کرام کو توجہ دلائی۔ تو قیل وقال شروع ہوگئی۔

حضرت داتا گنج بخش نے سب کو بُلایا۔ سمتِ قبلہ کے تعین پر گفتگو کی۔ اور نماز کا وقت ہوا تو خود جماعت کی امامت کی۔ اور کعبۃ اللہ تک جتنے حجاب تھے اُٹھ گئے اور علماء کرام نے اپنی آنکھوں سے کعبۃ اللہ کو دیکھا اور اپنی اپنی مساجد کا قبلہ درست کر لیا۔

اس کرامت کے بعد لوگ تعمیر مسجد کرتے تو "سمت قبلہ" کو حضرت داتا گنج بخش کی مسجد کو معیار بنا لیتے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت داتا گنج بخش کا قیام کتنے سال تک لاہور میں رہا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ کے آنے کے بعد لاہور اسلام کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اسلام کی روشنیاں دور دور تک پھیلنے لگیں اور مساجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ حضرت حسن زنجانی نے چاہ میراں میں ایک مسجد اور کنواں بنایا تھا۔ شاہ یعقوب زنجانی صدر دیوان نے میو ہسپتال کے قریب مسجد بنائی۔

نیویں مسجد:

لاہور کی قدیم ترین مساجد کا ذکر ہو تو لاہور کی "نیویں مسجد" کا ذکر ضرور ہو گا۔ یہ مسجد شاہ عالمی اور لوہاری دروازے کے درمیان کوچہ ڈوگراں چوک متی کے قریب ہے۔ یہ مسجد عام سطح زمین سے بیس فٹ نیچے ہے اسے لودھی خاندان کے ایک امیر ذوالفقار خان نے تعمیر کیا تھا۔

ایک قدیم مسجد یکی دروازے (ذکی دروازہ) کے اندر حویلی ملا غوث میں واقع ہے جو باغ کے راستہ کے قریب ہے۔ یہ مساجد مغلیہ دور سے بھی پہلے تعمیر ہوئی تھیں۔ ایک اور مسجد دہلی دروازے کے اندر "مسجد قصاباں" ہے جو چنگڑ محلے میں ہے۔ یہ بھی سطح زمین سے نیچے ہے۔ اسے اکبر کے دور میں ایک خزانچی سید نجف علی شاہ نے بنایا تھا۔

قدیم لاہور میں بے شمار مساجد تعمیر ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "جعلت لی کل الارض مسجدا و طهورا" میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بتائی گئی ہے۔ لالہ کنہیا لال نے "تاریخ لاہور" میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کی حویلی میں ایک مسجد کا ذکر کیا ہے یہ حویلی لوہاری دروازہ کے اندر تھی جو انگریز دور میں مسمار

کر کے اس کی اینٹیں اور پتھر فروخت کر دیے گئے۔ کھڑک سنگھ کی حویلی کے اندر ایک خوبصورت مسجد تھی جو سکھ دور میں توڑ پھوڑ سے بچ گئی۔ کھڑک سنگھ نے اس مسجد کی حفاظت کی اور امام مسجد کو دس روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیتا رہا اور نمازیوں میں مٹھائی تقسیم کرتا تھا۔

اونچی مسجد:

اسلامی دور میں جس قدر مساجد تعمیر ہوئیں۔ سکھ دور میں اتنی ہی بربریت سے ان مساجد کو پیوست زمین کر دیا گیا۔ مغلیہ دور کی ایک مسجد بھاٹی دروازے کے اندر اب تک موجود ہے جسے "اونچی مسجد" کہا جاتا ہے اس کا ایک کتبہ غالباً اب تک محفوظ ہے۔

در پئے تاریخ او بودم کہ پیر عقل گفت

وہ چہ زیبا مسجدے وہ چہ شفا خانہ

آخری مصرع کے اعداد ۹۹۲ھ نکلتے ہیں۔

عہد جہانگیری کے ابتدائی دور کی ایک مسجد لوہاری منڈی محلہ خراسیاں میں ہے۔ جہاں اب دارالعلوم نظامیہ دینی تعلیمات کو پھیلا رہا ہے۔ یہ مسجد ۱۰۱۵ھ میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات جلد اول صفحہ ۳۱۹ میں بھی کیا ہے اور اس وقت کے گورنر شیخ فرید کو لکھا تھا۔ اس مسجد میں درویشوں کا قیام ہوتا ہے اس کا خیال رکھا جائے۔ لاہور کی تاریخ میں خنو تیلی کا ذکر ملتا ہے۔ جو غلے کا تاجر تھا۔ اس کا کاروبار تو چوک جھنڈا کی غلہ منڈی میں تھا۔ مگر وہ اس مسجد کا نگران تھا۔

جب جہانگیر لاہور آیا اس نے اپنی نگرانی میں ایک عظیم الشان مسجد ۱۰۲۳ھ میں تعمیر کرائی اس کا نام اپنی والدہ کے نام پر "مریم زمانی" رکھا۔ یہ قلعہ لاہور کے مشرقی دروازہ کے باہر جہاں مستی دروازہ ہے بنائی گئی تھی۔ مستی دروازہ کا نام دراصل مسجدی دروازہ تھا۔ مسجد کا نام بیگم شاہی مسجد مشہور ہوا۔ یہ مسجد اپنے زمانے میں لاہور کی تمام مساجد سے بڑی اور تعمیراتی فن میں بے مثال مسجد تھی۔ سکھ دور میں اسے بارود خانہ بنا دیا گیا۔ مگر انگریزی اقتدار میں اسے خالی کرا کر کھول دیا گیا۔ جہاں مولانا غلام قادر بھیروی

خطابت وامامت کرتے رہے۔ بھی دروازے کے اندر (جسے طبی دروازہ کہا جاتا تھا) کے بازار کے اخیر میں شاہجہان کے ایک امیر مستعد خان نے ۱۵۴۶ء میں ایک مسجد بنوائی۔ اس کا کتبہ کناری بازار کی مسجد میں اب تک محفوظ ہے۔ مستعد خان نے مسجد کی تعمیر پر ایک شعر لکھا تھا۔

زمن تو نام ازاں خواجہ مستعد بشنو
خدائے دوست چو اوّلیت دیگرے شاہجہاں

مسجد وزیر خان:

حکیم مولانا علیم الدین انصاری بہ منصب ''وزیر خان پنجاب'' چنیوٹ کا باشندہ تھا بڑا اعلیٰ طبیب اور عالم دین تھا۔ وہ طبیب کی حیثیت سے شاہجہان کے دربار سے وابستہ ہوا آہستہ آہستہ اپنی ذہانت ودیانت کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج شناس اور مقرب بن گیا۔ شاہجہان کے قریبی ملازمین میں شامل ہو گیا۔ وہ اول داروغہ عدالت بنا۔ اس نے مقدمات اور عدالتی معاملات اتنی دیانت اور معاملہ فہمی سے باحسن وجوہ سرانجام دیئے کہ بادشاہ نے اسے ''وزیر خاں'' کے عہدے پر لگا دیا۔ ۱۰۳۰ء میں حکیم علیم الدین انصاری کو سارے پنجاب کا بااختیار افسر کے ساتھ ساتھ پنج ہزاری سوار کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ شاہجہان کی تخت نشینی کے موقع پر اسے بہت سے اعزاز ومناصب سے نوازا گیا۔ ۱۰۴۱ء میں علیم الدین مکمل اختیارات کے ساتھ پنجاب کا صوبے دار بن گیا۔ ان تمام ترقیوں کے باوجود حکیم علیم الدین کی دیانت محنت کارکردگی میں فرق نہ آیا۔ یہ زمانہ مغلوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ بادشاہ شاہجہاں کے دور میں یادگار عمارتیں' بازار۔ سرائے۔ باغات۔ حویلیاں اور مساجد کی تعمیر ہوئی۔ لاہور کے مضافات میں دریائے چناب کے کنارے پر وزیر آباد شہر بنایا گیا۔ چنیوٹ کے گرداگرد پختہ اینٹوں سے چاردیواری تعمیر کی گئی۔ عمارتیں۔ دکانیں۔ مسجدیں۔ سرائیں۔ شفاخانے اور دینی مدارس اور مساجد تعمیر کی گئیں۔ ان تمام خدمات کے باوجود نہ اس کی سادگی میں فرق آیا۔ نہ اس کی کفایت شعاری میں

تبدیلی آئی۔

مسجد وزیر خان کی جائے وقوع:

حکیم علیم الدین نے لاہور شہر کے عین درمیان ایک بہت بڑی مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ جہاں ایک عظیم الشان دینی مدرسہ تھا اور شیخ اسحاق گازرونی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تھا۔ اس نے یہاں ایک بلند پایہ مسجد کی بنیاد رکھی' جس کا نام مسجد وزیر خان مشہور ہوا۔ اس مسجد سے سید حاد ہلی دروازہ کی طرف مشرق کو نکلیں تو ''مسجد قصاباں'' کی دیوار کے ساتھ ساتھ راستہ گزرتا تھا۔ یہ وہی مسجد قصاباں ہے جس میں بانی مسجد وزیر خان حکیم علیم الدین ایک درویش طالب علم کی حیثیت سے پڑھا کرتا تھا۔ شاہجہان کے وزیر اعظم ملّا سعد اللہ خان بادیہ گردی کرتے ہوئے لاہور پہنچے تو رات کو گدائی کرتے دن کو پڑھتے اور مسجد گازرونی میں سو رہتے۔ مسجد گازرونی ان دنوں علماء وفضلا کی کثرت کے باعث عظیم الشان دارالعلوم کا کام دے رہی تھی۔

مسجد وزیر خان بیس سال میں تعمیر ہوئی۔ اس کے در و دیوار پر جو رنگ آمیزی کی گئی وہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان' خراساں اور ایران کی مساجد سے اعلیٰ ہے اس مسجد کی شان وشوکت نے پورے ایشیا میں اپنا مقام بنایا اور دنیا بھر کے لوگ اس کی زیارت کو قافلہ در قافلہ آتے۔

مغل زوال کے بعد جب پنجاب میں سکھا شاہی کا اقتدار آیا۔ تو لاہور کی کئی مساجد کو تہ و بالا کر دیا گیا۔ مسجدوں کے محراب ومنبر توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ مسجد وزیر خان کے اردگرد عمارات کو گرا کر سکھوں نے اپنے گھر بنا لئے۔ مگر مسجد وزیر خان کو اس لیے زیادہ نقصان نہ ہوا کہ یہاں کے خطیب وامام مولانا غلام محمد عرف مولوی گاموں تھے۔ جو مہاراجہ کھڑک سنگھ کے بچوں کے استاد تھے۔ جس کے سبب سکھوں کے جتھے مسجد کے اندر تباہی نہ کر سکے۔ آج بھی مسجد وزیر خان اپنے جاہ وجلال کے ساتھ لاہور شہر کے درمیان کھڑی ہے صدر دروازہ کے اندر کی طرف یہ شعر بانی مسجد کی محبت رسول کی نشاندہی کرتا ہے۔

محمد عربی کا بروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

اتنی شاندار مسجد کے خطبا اور ائمہ کے اسمائے گرامی تو ہمیں معلوم نہیں ہو سکے البتہ سکھ دور کے بعد کے جن علمائے کرام نے امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیئے ان میں چند کے نام مل سکے ہیں۔ ۱۲۴۴ھ میں ایک عالم دین مولانا غلام محمد عرف امام گاموں کا نام ملتا ہے جو مسجد وزیر خان کا امام تھا۔ ان کے والد محمد صدیق بھی امامت کرتے رہے تھے۔ حدائق حنفیہ میں لکھا ہے کہ ان کے والد محترم مولانا محمد حنیف بن محمد لطیف بڑے عالم فاضل فقیہ محدث اور واعظ تھے۔ اور کابل سے آ کر لاہور کی مسجد وزیر خان کی امامت کرتے رہے۔

امام گاموں کی وفات کے بعد ان کا بیٹا اللہ بخش امام بنا۔ اور ۱۲۷۸ھ میں فوت ہو گیا۔ ان کا بیٹا میاں محمد ایک عرصہ تک امامت کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ انگریزوں کے قبضہ کے بعد مسجد وزیر خان کے امام کا نام ''مولوی بخاری'' ملتا ہے جو زبردست خطیب اور مقرر بھی تھے۔ ان کے ساتھ مولوی عبداللہ پشاوری درس قرآن دیتے تھے۔ اور ایک شخص شمس الدین موذن تھے۔ یہ وہی مولانا شمس الدین ہیں جنہوں نے غازی علم دین شہید کا جنازہ پڑھایا تھا۔ کیونکہ مولانا دیدار علی رش کے باعث پہنچ نہ سکے تھے۔ ورنہ جنازہ مولانا دیدار علی شاہ نے پڑھانا تھا۔ اسی زمانہ میں الور کے ایک عالم دین مولانا سید دیدار علی شاہ لاہور آئے تو دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں مدرس بنے۔ وہ بے مثال واعظ تھے۔ مسجد وزیر خان کے مقرر بنے' خطیب بنے' امام بنے۔ قاری شمس الدین نماز تراویح میں قرآن سناتے۔ مولانا دیدار علی شاہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسنات مولانا محمد احمد خطیب رہے۔ پھر ان کے بیٹے خلیل احمد قادری خطابت کرتے رہے۔ اگرچہ مسجد وزیر خان محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام ہے مگر امامت اور خطابت پر مولانا دیدار علی الوری کی اولاد سے عالم دین خطیب وامام ہیں۔

مسجد وزیر خان کا منبر:

ہم نے مسجد وزیر خان کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے مگر اس کے محراب میں ایک شاندار منبر کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ لاہور کے وائسرائے لارڈ کرزن گورنر جنرل ہند نے ۱۸۹۹ء میں منبر کا عطیہ دیا جو اپنی ساخت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ یہ اخروٹ کی لکڑی سے بنایا گیا تھا اور اس پر نقش ونگار اس دور کی عمدہ مثال ہیں۔

مسجد پری محل:

شاہ عالمی دروازے کے اندر ایک اونچی مسجد ہے۔ اس کی کرسی ایک منزل سے اونچی ہے کنہیا لال نے اپنی تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ نواب وزیر خان نے یہ اونچی مسجد اپنے گھر کے قریب بنائی تھی۔ وہ خود اسی میں نماز پڑھا کرتا تھا اس کے پیچھے مسجد ''پری محل'' تھی۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ گرتی گئی۔

لاہور کے ایک رئیس میاں چراغ دین دانگر نے اسے از سر نو مرمت کیا۔ پاکستان کے بننے سے پہلے یہ مسجد ہندوؤں کے محلے میں گھری ہوئی تھی۔ مگر پاکستان بننے کے بعد اب قدیم شاہی مسجد کو نماز کے لیے کھول دیا گیا ہے اس کی پیشانی پر اب بھی وہ کتبہ موجود ہے جو سنگ مرمر پر درج ہے۔

چوں ایں مسجد لباس نو پوشید
چراغ دین فروغ نو بہ بخشید
چوں تاریخ بنائش بخش فیض
چراغ و مسجد آمد سال تجدید
۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء

وزیر خان کی چھوٹی مسجد:

مسجد وزیر خان سے شمال کی طرف جائیں تو سنہری مسجد کے شمال میں ٹکسالی دروازہ

بازار سمیاں میں نواب وزیر خان نے ۱۰۴۶ھ میں ایک چھوٹی مسجد تعمیر کرائی تھی۔ لاہور شہر کا یہ حصہ بڑا آباد رہا ہے۔ محمود غزنوی کے دور کے بہت سے محلات اسی علاقہ میں موجود تھے۔ اس علاقہ میں بازار طبی (ٹبی بازار) میں شاہجہان کے زمانہ کی مسجد دارالعلوم نعمانیہ کے جنوب میں تھی۔ اسے بعض لوگ دارا شکوہ کی مسجد بھی کہتے ہیں۔ سکھوں نے اس علاقے کے تاریخی محلات تہس نہس کر دیے اور اپنے مکان بنا لئے۔ راجہ دھیان سنگھ کی حویلی۔ راجہ چیت سنگھ کی حویلی ان مکانوں کو گرا کر بنائی گئی تھیں۔ سید لطیف اس علاقے میں رہتے تھے انہوں نے اپنی انگریزی میں تاریخ لاہور لکھی ہے جس میں اس علاقے کی تباہی کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے۔ وزیر خان کی یہ چھوٹی مسجد جسے شاہجہانی مسجد کہا جاتا تھا۔ ۲۰۰۹ء میں شہید کر کے جامعہ نعمانیہ کی خوبصورت جامع مسجد نعمانیہ بن گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر سے جامعہ نعمانیہ کے طلبا اور علاقہ کے مسلمانوں کو نماز ادا کرنے میں آسانیاں ہو گئی ہیں۔ یہ مسجد اور بینٹ گروپ انڈسٹریز کے مالک جناب محمد فاضل نے زر کثیر خرچ کر کے تعمیر کروائی ہے اور اپنی والدہ ''فردوس'' کے نام صدقہ جاریہ کے طور پر اللہ کا گھر بنوایا ہے۔

ہم نے لاہور کی چند قدیم مساجد کا ذکر کیا ہے ابھی بہت سی مساجد کا تذکرہ باقی ہے۔ اگر ''قارئین جہانِ رضا'' نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور ہمیں دوسری قسط شائع کرنے کا حکم ملا تو آئندہ شمارے میں باقی ماندہ مساجد کا تذکرہ لکھا جائے گا۔ (ادارہ)